بلاک-4

اکائی-2 عصر اموی میں عربی خطابت کا ارتقاء، اس کی اہم خصوصیات اور اہم شخصیات

اکائی کے اجزاء

2.1 مقصد

2.2 تمہید

2.3 اموی دور میں عربی خطابت کا ارتقاء

2.3.1 سیاسی خطابت

2.3.1.1 خطباء خوارج

2.3.1.2 شیعہ خطباء

2.3.1.3 عبداللہ بن زبیر اور ان کی جماعت

2.3.1.4 خطباء بنو امیہ

2.3.2 درباری تقریریں اور مختلف مناسبات کی خطابت

2.3.3 واعظانہ خطابت اور قصہ گو خطباء

2.4 اموی دور کے چند مشہور خطباء

2.4.1 زیاد بن اُبیہ

2.4.2 طارق بن زیاد

2.4.3 حجاج بن یوسف

2.4.4 حسن بصری

2.5 خلاصہ

2.6 نمونے کے امتحانی سوالات

2.7 فرہنگ

2.8 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

2.1 مقصد

عصر اموی چونکہ سیاسی اعتبار سے ایک نہایت پر آشوب اور پر فتن دور تھا اور عربوں میں سیاسی رسہ کشی اپنی شباب پر تھی اس لئے اس عہد میں خطابت کو پروان چڑھنے اور فروغ پانے کا بہت موقع ملا۔ اس اکائی کا اصل مقصد اموی دور میں خطابت کی اہمیت اس کے ارتقاء اور اس کی اہم شخصیات کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے۔

2.2 تمہید

عرب قوم کو زبان و بیان پر قدرت کے اعتبار سے شروع سے ہی ایک خاص مقام حاصل رہا ہے ظہور اسلام کے ساتھ ہی عربی خطابت ایک نئے انداز میں سامنے آئی

اور ایک نئی سمت میں اس نے اپنا سفر شروع کیا، اللہ کے رسولؐ اور صحابہ کرام نے دین حق کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے لئے خطابت کا سہارا لیا بلکہ یہ اس دعوتی مشن کا سب سے اہم اور مؤثر وسیلہ ثابت ہوا ہجرت سے قبل رسول اللہؐ تیرہ سال تک خطابت کے ذریعہ قریش اور دیگر عرب قبائل کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اللہ کے رسولؐ عربوں کے مشہور بازاروں اور میلوں میں جا کر لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات رکھتے اور انہیں راہِ حق کی طرف بلاتے، ان کی زندگی کا اصل مقصد اور خالق کائنات سے متعلق حقائق قرآنی آیات کی روشنی میں ان کے سامنے پیش کرتے۔ اس مہم میں خطابت ہی کا رول سب سے اہم ثابت ہوا۔ مدینہ ہجرت کے بعد خطابت کی اہمیت وضرورت میں مزید اضافہ ہوا۔ مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی، عملی طور پر ایک مسلم معاشرہ کا قیام عمل میں آیا، گونا گوں معاملات وواقعات سامنے آئے، ان سب کا حل رسولؐ اور ان کے اصحاب قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نکالتے تھے، اور خطابت کے ذریعہ لوگوں تک اپنی بات پہنچایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جمعہ، عیدین، حج وغیرہ کے موقع پر اس کی جو اہمیت و افادیت تھی وہ اپنی جگہ قائم تھی۔

عصر رسول اور عہد خلافت راشدہ میں عربی خطابت کا ایک خاص انداز تھا اس کی کچھ خوبیاں تھیں جن کے بارے میں آپ اسلامی دور کے تحت پڑھ چکے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی وفات کے موقع پر اور آپ کی وفات کے بعد خطابت کا دائرہ اور وسیع ہوا، اور قائدین وخلفاء نے اپنے لشکر کے حوصلوں کو بلند کرنے کے لئے پر جوش اور مؤثر خطبے دیئے، خواہ وہ جنگ قادسیہ کے موقع پر المغیرہ بن شعبہ کا خطبہ ہو، یا جنگ یرموک کے موقع پر خالد بن الولید کا خطبہ ہو یا ابلہ کی فتح کے دن عتبہ بن غزوان کا خطبہ ہو۔ اس عہد کی خطابت بنیادی طور پر دو محوروں پر قائم تھی ایک دعوت دین اور دوسری جہاد کی ترغیب، اس دور کے آخری ایام میں خاص طور سے جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ کے موقع پر عربی خطابت میں ایک نیا رنگ یہ پیدا ہوا کہ مختلف سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے اوپر خطبوں کے ذریعہ حملہ کرنے لگیں، حضرت علی خود ایک ماہر خطیب تھے اور ان کی حامیوں میں خطیبوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی، جب خوارج کی جماعت رونما ہوئی تو اس کے اور حضرت علی کے حامیوں کے درمیان جو بحث ومباحثہ شروع ہوا اس کی بنیاد بھی خطابت پر ہی تھی۔ اس دور کی خطابت میں جاہلی دور کی خطابت میں موجود سجع ہمیں بہت کم نظر آتا ہے، اللہ کے رسول اور صحابہ کرام اسے ناپسند کرتے تھے۔ عصر رسول اور خلافت راشدہ کے دور میں جن عوامل ومحرکات کی بنیاد پر عربی خطابت کا فروغ شروع ہوا تھا عہد اموی کے آتے آتے ان عوامل ومحرکات میں اور بھی زیادہ شدت آنے لگی، جس کے نتیجہ میں خطابت کو ترقی کرنے کے لئے زیادہ سازگار ماحول میسر ہوا۔

2.3 اموی دور میں عربی خطابت کا ارتقاء

بنو امیہ کی خلافت جس ماحول میں قائم ہوئی وہ نہایت پر آشوب اور پرفتن ماحول تھا، کئی سیاسی جماعتیں آپس میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھیں، ایک طرف تو بنو امیہ کے خلاف کئی جماعتیں میدان کارزار میں اتری ہوئی تھیں تو دوسری طرف مختلف سیاسی جماعتوں کی آپس میں خوب ٹھنی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے ماحول کافی گرم تھا اور ایسے ماحول میں خطابت جیسے فن کا فروغ پانا ایک فطری بات تھی۔

ایک طرف بنو امیہ کے حامیوں میں زیاد بن ابیہ اور حجاج بن یوسف جیسے خطیب تھے جو خلافت پر بنو امیہ کے حق کو ثابت کرنے میں جٹے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عربوں بلکہ تمام مسلمانوں کی قیادت کے لئے خلیفہ منتخب کیا ہے، تو دوسری طرف ان کے مقابلہ میں خوارج کے خطباء تھے اور خلافت کو تمام مسلمانوں کا حق بتاتے تھے، اور یہ مانتے تھے کہ خلیفہ کا انتخاب زہد وتقویٰ کی بنیاد پر ہونا چاہئے نہ کہ حسب ونسب کی بنیاد پر، تو وہیں تیسری طرف حضرت علی کے متبعین تھے جو بعد میں شیعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خلافت دراصل ان کا حق شرعی ہے، وہیں حضرت زبیر اور ان کے متبعین بھی تھے جو خلافت کو قریش اور حجاز میں واپس لانے کے قائل تھے، اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میدان جنگ میں اترے ہوئے تھے، اس پورے جنگ وجدال میں تیر وتفنگ کے بعد ہر فریق اور ہر جماعت کا سب سے بڑا ہتھیار خطابت ہی تھا، اس کے ذریعہ وہ اپنے مخالفین کے اوپر حملے کر کے ان کے پرخچے اڑایا کرتے تھے، اور اپنے مؤیدین کو سربکف دشمن سے ٹکرانے کے لئے للکارا کرتے تھے۔ یہ اموی دور میں خطابت کا سیاسی رنگ تھا جس نے اس دور میں سب سے زیادہ ترقی کی، اس کے علاوہ دوسرے موضوعات بھی تھے جن پر اس دور میں خوب خطابت ہوئی، جن میں سے کچھ کا ہم یہاں جائزہ لیں گے۔

مشرق ومغرب میں جو اسلامی لشکر یکے بعد دیگرے معرکے سر کر رہے تھے اس میں ان کے قائدین کا بہت ہی اہم رول تھا، اور جب بھی کسی معرکے کی تیاری شروع ہوتی تھی تو قائدین اپنے جنگجوؤں کے سامنے آ کر تقریریں کرتے اور ان کے اندر دل وجان سے لڑنے کا جوش وولولہ پیدا کرتے۔ ان کی یہ تقریریں ان جنگوں کی فتوحات میں بہت مؤثر ثابت ہوتی تھیں۔

مختلف عرب قبائل کے مابین دور جاہلی میں جو تعصب تھا اور جو منافرت پائی جاتی تھی وہ عصر رسول اور خلافت راشدہ کے دور میں کافی حد تک کم ہوگئی تھی، لیکن اموی دور

آتے آتے وہ قبائلی رنجشیں پھر سے جاگ اٹھیں اور قبائلی تعصب کی آگ پھر سے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ اس میں بھی مخالفین نے ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے خطابت کا سہارا لیا، ایک طرف قیس اور تغلب و مختلف یمنی قبائل آمنے سامنے آ گئے تھے تو دوسری طرف بصرہ میں تمیم اور ازد کے درمیان ٹھن گئی، کچھ یہی حال خراسان وغیرہ میں موجود عرب قبائل کا تھا، ہر قبیلے کے خطیب دوسرے قبیلہ کے لوگوں پر اپنی تقریروں کے ذریعہ وار کرتے اور انھیں نیچا دکھانے کی کوشش کرتے۔

وفود کی آمد کا جو سلسلہ رسول اللہؐ کے عہد میں شروع ہو چکا تھا، مختلف قبائل اور علاقوں کے وفد آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور ان کے خطباء آپ سے دین اسلام کی بابت پوچھتے تھے یا اپنا جو بھی مدعا ہوتا تھا اسے سامنے رکھتے تھے، خلافت راشدہ کے دور میں یہ سلسلہ جاری رہا، اور فتوحات کی کثرت کی وجہ سے اس میں مزید اضافہ ہوا، لیکن عصر اموی کے آتے ہی ان وفود کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اب اسلامی ریاست کی حدیں بے انتہا وسیع ہو چکی تھیں، اور اسی حساب سے مسائل کی بھی کثرت ہو گئی تھی، وہیں دوسری طرف خود خلفاء اور امراء نے اس بات کو پسند کیا کہ لوگ ان سے ملیں، اور بالمشافہہ اپنا مدعا ان کے سامنے پیش کریں۔ یہ وفد خلفاء اور والیوں کے دربار میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے سامنے اپنی قوم کی نمائندگی کرتے تھے۔ یہ وفود نئے خلیفہ کی تاج پوشی کے وقت اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے بھی آتے تھے اور اس کے سامنے اپنی پریشانیوں اور اپنے مسائل کو رکھ کر ان کا حل تلاش کرنے بھی آیا کرتے تھے، بعض دفعہ وفود تعزیت یا مبارکباد پیش کرنے کے لئے بھی خلفاء اور امراء کے دربار پہنچتے تھے، اور ہر وفد کے خطیبوں کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ وہ پوری فصاحت و بلاغت اور پورے شد و مد کے ساتھ حاکم وقت کے سامنے اپنی بات کو پیش کرے اور اس کی تائید و حمایت سے ہمکنار ہو، اس طرح کے بے شمار خطبے تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

خطابت کا جو دینی مقام و مرتبہ عصر رسول اور دور خلافت راشدہ میں تھا وہ یقیناً اپنی جگہ قائم رہا بلکہ اس میں بھی بے انتہا وسعت پیدا ہو گئی، کیوں کہ جیسے جیسے فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا اور نئے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہوتے رہے اسی حساب سے مساجد اور عیدگاہوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جب اللہ کے رسول ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ نے مسجد قبا کے نام سے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی، اور چالیس پچاس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد سندھ سے لے کر شمالی افریقہ کے آخری کنارے تک ہزاروں مسجدوں اور عیدگاہوں کا قیام عمل میں آ چکا تھا جن میں باقاعدہ پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس طرح عالم اسلام کے ہر کونے میں خطباء حضرات جمعہ اور عیدین کے موقع پر خطبے دیتے اور عوام الناس تک اسلام کی صحیح تعلیمات پہنچاتے۔ ویسے تو یہ خطبے خالص مذہبی نوعیت کے ہوا کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی ان میں خلفاء اور امراء کے نام بھی داخل ہو جاتے تھے، جمعہ و عیدین کے خطبوں کے علاوہ مذہبی خطبوں کی ایک اور قسم تھی جو اس وقت کثرت سے رائج ہوئی اور وہ تھی وعظ و نصیحت اور دینی حلقوں کی قسم جس کے ذریعہ ائمہ اور واعظین لوگوں کے سامنے دینی تعلیمات کو پیش کرتے اور صحیح راستہ پر چلنے کی تلقین کرتے۔ اس نوعیت کے خطبوں میں حسن بصری وغیرہ کے نام بطور خاص سے قابل ذکر ہیں۔ ادب اور تاریخ کے مراجع میں اس دور کی خطابت کے نمونے ہمیں جگہ جگہ نظر آتے ہیں! تاریخ طبری وغیرہ اس قسم کے مراجع کی بہترین مثال ہے۔

2.3.1 سیاسی خطابت

2.3.1.1 خطباء خوارج

اس دور کی سیاسی خطابت میں خوارج کو دوسری سیاسی جماعتوں پر سبقت حاصل تھی، اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے عقائد و افکار کو لے کر سب سے زیادہ پر جوش اور جذباتی تھے اور کھل کر برملا اپنے مخالفین پر ہر طرح سے حملہ کرتے تھے، خطابت میں بھی انہوں نے اپنے مخالفین پر شدید حملے کئے اور انھیں خوب آڑے ہاتھوں لیا، حالانکہ ان کے زیادہ تر خطبے ہم تک نہ پہنچ سکے کیوں کہ ایک تو انہوں نے خود انہیں سپرد قلم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی وہیں ان کے مخالفین نے بھی ان کے خطبوں کو اکثر نظر انداز کیا، لیکن جو خطبے بھی تاریخ و ادب کے حوالے سے ہم تک پہنچے ہیں ان میں بہت جوش و ولولہ نظر آتا ہے۔ جاحظ کی البیان والتبیین میں ان کے بہت سے خطبے موجود ہیں، خوارج کے اس وقت وجود میں آئے چاروں فرقوں، ازارقہ، نجدات، صفریہ اور اباضیہ میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے خطیب تھے جو ایک دوسرے کو ٹکر دیتے تھے، ازارقہ کے مشہور خطیبوں میں ان کا لیڈر نافع بن ازرق، الزبیر بن علی، اور قطری بن الفجاءہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، یہ اپنی تقریروں میں اپنے متبعین کو راہ حق میں جان کی بازی لگانے کی ترغیب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کی تقریروں کا اسلوب مسجع و مقفی ہوا کرتا تھا۔

خوارج میں فرقہ ازارقہ اپنے عقائد و نظریات اور خیالات میں بڑا سخت اور کٹر تھا، یہ لوگ اللہ کے راستے میں جان دینے کے لئے اس طرح بے تاب رہتے تھے جس طرح پروانہ شمع پر نثار ہونے کے لئے بیتاب رہتا ہے، وہ کہتے تھے کہ اس دنیا کی زندگی ہیچ ہے اصل زندگی جنت کی زندگی ہے اور اس کا راستہ صرف ... ہے کہ ان گمراہ لوگوں اور

فرقوں سے جنگ کر کے راہ حق میں شہادت حاصل کی جائے، چنانچہ ان کے لیڈر زبیر بن علی نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ : "إن البلاءَ للمؤمنين تمحيصٌ و أجرٌ، وهو على الكافرين عقوبةٌ و خزيٌ، وثِقُوا بأنكم المستخلفونَ في الأرض "

(ترجمہ: مومن جب آزمائش اور مصیبت میں پڑتا ہے تو اس کے گناہ گھٹتے ہیں اور ثواب بڑھتا ہے، اور کافر جب آزمائش اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی ذلت و خواری اور سزا بڑھتی ہے، یقین رکھو کہ تم ہی زمین پر خدا کے خلیفہ ہو، اور انجام کار کامیابی متقیوں ہی کو نصیب ہوگی)

یہ لوگ دنیا اور متاع دنیا کو فریب، دھوکہ اور خواہشات نفسانی کا مرکز سمجھتے تھے، ان کے بقول دنیا سراسر ناکامی اور نقصان کا موجب ہے، اور اس کے مقابلہ میں آخرت اور اس کی خاطر ہر قسم کی قربانی حاصل زندگی ہے، زبیر بن علی کے بعد ان کے مشہور مقرر اور لیڈر قطری بن الفجاءۃ نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا: "أما بعد، فإني أُحذركم الدنيا، فإنها حلوةٌ خَضِرَةٌ، حُفَّتْ بالشهوات، مع أن امرءاً لم يكن منها في حَبَرَة، إلا اعقبته بعدها عبرة ---- لا خيرَ في شيئ من زادها إلا التقوىٰ"

(ترجمہ: اے لوگو! میں تم کو دنیا سے خبردار کئے دیتا ہوں، اس لئے کہ یہ بڑی میٹھی اور ہری بھری ہے، مگر خواہشات نفسانی سے بھری ہوئی ہے، آدمی کو یہاں جب کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے تو اس کے بعد فوراً ہی کوئی نہ کوئی تکلیف دہ بات ہو جاتی ہے....اس لئے یہاں کی کسی چیز میں سوائے تقویٰ کے کوئی بھلائی یا خیر نہیں)

خوارج کے دوسرے فرقے صفریہ کے یہاں ہمیں عمران بن حِطان اور صالح بن مسرح جیسے خطیب ملتے ہیں، ان حضرات نے بنوامیہ اور اپنے دیگر مخالفین پر جم کر حملے کئے اور انہیں گمراہ قرار دے کر ان کے خلاف جہاد پر اپنے متبعین کو خوب بھڑکایا، ان کے دیگر مشہور خطیبوں میں الطرماح بن الحکیم، شبیل بن عزرہ الضبعی اور ضحاک بن قیس وغیرہ اہم مانے جاتے ہیں، اباضیہ فرقے کے بھی کئی اہم خطیبوں کے نام تاریخ وادب کے مراجع میں ہمیں ملتے ہیں ان میں سب سے زیادہ شہرت ان کے ایک لیڈر عبداللہ بن یحییٰ الکندی کو حاصل ہوئی جس نے ۱۲۹ھ میں بنوامیہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا اور یمن وحضرموت وغیرہ کے علاقوں پر اپنا قبضہ جمایا، اپنے قائد ابوحمزہ کی قیادت میں اس فرقے نے حجاز تک پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا، یہاں تک کہ اموی خلیفہ مروان بن محمد نے اسے شکست دے کر اس کی نکیل کسی۔

2.3.1.2 شیعہ خطباء

شیعہ فرقے کے خطیبوں کے نشانے پر بھی بنوامیہ اور ان کے خلفاء تھے۔ ان کے مطابق بنوامیہ نے خلافت پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا اور اس پر حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کا ہی حق تھا، ان کا کہنا تھا کہ اللہ کے رسولؐ از خود خلافت کے لئے حضرت علیؓ کو نامزد کیا تھا، اور بنوامیہ نے ان کو ان کے اس حق سے محروم کر دیا۔ اس فرقے کے خطیبوں کا سارا زور اپنے ان دعووں کو ثابت کرنے پر تھا، بطور خاص حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ان لوگوں نے بنوامیہ کے خلاف اپنا محاذ پوری طرح کھول دیا تھا، اور خطابت کے ذریعہ ان پر شدید حملے کئے۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اس جماعت کے ایک رہنما سلیمان بن صرد نے منبر پر کھڑے ہو کر پر جوش خطبے دئے اور بنوامیہ کو منھ توڑ جواب دینے کے لئے لوگوں کو بھڑکایا۔ اس جماعت کا ایک اور خطیب عبیداللہ بن عبداللہ المری تھا جس نے جوشیلے خطبوں کے ذریعہ شیعوں کو بنوامیہ کے خلاف برانگیختہ کیا۔ شیعوں کا ہی ایک بہت بڑا قائد مختار الثقفی بھی تھا، جس کی بنوامیہ اور مصعب بن الزبیر کے خلاف معرکہ آرائیاں تاریخ کا حصہ ہیں، یہ بھی ایک زبردست خطیب تھا اور اس کے خطبے بھی تاریخ کے مراجع میں موجود ہیں۔ ان خطیبوں کے علاوہ شیعہ فرقہ کے اور بھی ماہر اور شعلہ بیان خطیب تھے جنہوں نے اپنی خطابت کے خوب جلوے دکھائے، لیکن ان کے بہت سے خطبے ہم تک نہ پہنچ سکے۔

شیعوں کے دوسرے خیالات کے علاوہ جن میں ان کا اختلاف عام مسلمانوں سے ہے، مذکورہ بالا خیالات صرف ان کے سیاسی مقررین کے نہ تھے بلکہ ان کے اماموں کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا، چنانچہ حضرت حسینؓ جب شیعوں کی دعوت پر مدینہ سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب پہنچ گئے اور لوگ ان کے ارد گرد جمع ہونے لگے اور اسی درمیان عبیداللہ بن زیاد کی فوج کے ہراول دستے بھی پہنچنے لگے تو حضرت حسین نے اپنا رخ لوگوں کی طرف کر کے ایک تقریر کی جس میں آپ نے کہا کہ: "أيها الناس، فإنكم إن تتقوا وتعرفوا الحق لأهله يكن أرضى لله، و نحن۔ اهلَ البيت۔ أولى بولاية هذا الأمر عليكم من هؤلاء المدعين ما ليس لهم، والسائرين فيكم بالجور والعدوان"

(ترجمہ: اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور حقداروں کے حق کو سمجھو تو اس سے خدا بہت خوش ہوگا، ہم اہل بیت ہی ان جھوٹے دعوے داروں کے مقابلہ میں تمہارے اوپر حکومت کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، کیوں کہ ان لوگوں کو تو یہ حق کسی طرح پہنچتا ہی نہیں، پھر یہ لوگ تم لوگوں سے ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتے ہیں)

جلد ہی امویوں نے خلافت کے سب سے بڑے اور معزز و محترم دعوے دار یعنی حضرت حسینؓ کو قتل کروا کر اپنی حکومت اور سطوت کو اور مضبوط کرنا شروع کر دیا، لیکن تبھی

خلیفہ یزید بن معاویہ جس کے زمانے میں کربلا کا واقعہ پیش آیا تھا مر گیا، اب شیعوں میں ذرا جان آئی اور ان میں ایک جانباز سلیمان بن صرد کے نام سے پیدا ہوا، اس نے شیعوں کو ان کی غلطی یاد دلائی، ان کو حضرت حسینؓ کی مدد نہ کرنے پر عار اور شرم دلائی، چنانچہ شیعان کوفہ میں سے اکثریت اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اس طرح اس نے شیعوں میں فرقہ توابین کی بنیاد ڈالی۔ اس نے سبط رسول کی مدد نہ کرنے اور اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہنے کے گناہ سے سب سے توبہ کروائی اور ان کے خون کا بدلہ لینے کا ان سے عہد لیا، چنانچہ اس موقع پر کئی شیعہ قائدین کے علاوہ ان کے لیڈر سلیمان بن صرد نے بھی ایک جوشیلی تقریر کی جس میں اس نے کہا: "قُتِلَ فینا ولدینا ولدُ نبینا و سلالته وعصارته وبُضعةٌ من لحمه ودمه، اتخذه الفاسقون غرضاً للنبل، ألا انْهضوا فقد سخط ربكم، ولا ترجعوا إلى الحلائل والأبناء حتى يرضى الله، والله ما أظنه راضيا دون أن تناجِزوا من قَتَلَه أو تَبِيرُوا"

(ترجمہ: ہمارے درمیان ہمارے نبی کی اولاد اور ان کی ذریت کا نچوڑ، اور ان کے خون و گوشت کا ٹکڑا قتل کر دیا گیا، انھیں ان فاسقوں نے اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیا، اے لوگو! اٹھ کھڑے ہو کہ تمہارا رب تم سے خفا ہو گیا ہے، اور اپنی بیویوں اور بچوں کے پاس اس وقت تک نہ جانا جب تک کہ خدا تم سے خوش نہ ہو جائے، اور خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ خدا اس وقت تک تم سے خوش نہیں ہو سکتا جب تک تم اس شخص سے ڈٹ کر مقابلہ اور لڑائی نہ کرو جس نے ان کو قتل کیا تھا یا تم خود ہی اس راہ میں ختم نہ ہو جاؤ)

شیعوں کا ہی ایک اور لیڈر مختار الثقفی بھی بڑا ہی فصیح و بلیغ اور شعلہ بیان مقرر تھا، اس کی جوشیلی تقریریں سن کر کوفہ والے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ مختار ایک بہت ہی سنکی اور بہروپیا قسم کا انسان تھا، وہ یہ تصور دینے کے لئے کہ اس پر وحی یا اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے اپنی تقریروں میں جاہلی دور کے کاہنوں جیسا رنگ پیدا کرتا تھا اور اپنی تقریروں میں مسجع و مقفی عبارتیں بکثرت استعمال کرتا تھا، اور قرآنی اسلوب کی طرح اپنے جملوں کو اکثر قسم سے شروع کرتا تھا، جن میں نامانوس اور شاذ و نادر الفاظ کی بھرمار ہوا کرتی تھی، چنانچہ اس نے ایک موقع پر اپنی ایک تقریر میں کہا:

"أما ورب البحار، والنخيل والأشجار، والمَهامة والقِفار، والملائكة الأبرار، والمصطفَين الأخيار، لأقتلنَّ كل جبار، بكل لدن خطار، ومهند بتار، فی جموع من الأنصار، ليسو بميل أغمار، ولا بعزل أشرار، حتى إذا أقمتُ عَمود الدين ورأبت شعب صدع المسلمين وشفيت غليل صدور المؤمنين، وأدركت بثأر النبيين، لم يكبر عَلَىَ زوالُ الدنيا، ولم أحفل بالموت إذا أتى"

(یعنی: قسم ہے سمندروں کے مالک کی، کھجوروں اور درختوں کے مالک کی، صحراؤں اور بیابانوں کے مالک کی، اور پاکیزہ فرشتوں کے مالک کی کہ میں ہر جابر و ظالم شخص کو پیوست ہو جانے والے نیزوں سے اور تیز دھار والی ہندوستانی تلواروں سے اس کے ایسے مددگاروں کے بیچ قتل کروں گا جو نہ تو بزدل ہیں اور نہ ہی ناتجربہ کار ہیں، اور نہ ہی لفنگے ہیں اور نہ ہی نہتے ہیں، یہاں تک کہ جب میں دین کے ستون کو کھڑا کر لوں گا اور مسلمانوں کے اختلاف کو دور کر لوں گا اور مومنوں کے دل کی پیاس بجھا دوں گا اور نبیوں کے خون کا بدلہ لے لوں گا، تب میرے لئے اس دنیا کو چھوڑنا کوئی بڑی بات نہ ہوگی اور اس کے بعد جب موت آئے گی تب میں اس کی کوئی پرواہ نہ کروں گا)

مذکورہ بالا مقررین اور شیعوں کے دیگر مقررین اپنی نجی مجالس کی گفتگو سے لے کر بڑے جلسوں کی تقریروں تک میں بنوامیہ کی برائی اور آل بیت کی مظلومیت کی داستانیں سنا کر لوگوں کو امویوں کے خلاف اکساتے تھے، اور خون کا بدلہ لینے کی ترغیب دیتے تھے، ان لوگوں کے خیال کے مطابق آل رسول ہی نبوت کے حقیقی وارث، مقدس پیغام کے حامل اور مہدی منتظر تھے۔

2.3.1.3 عبداللہ بن زبیر اور ان کی جماعت

خوارج اور شیعوں کے علاوہ بھی کچھ سیاسی جماعتیں اس وقت میدان میں تھیں، جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی جماعت خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ عبداللہ بن زبیر بذات خود ایک شعلہ بیان خطیب تھے اور ان کی خطابت کا انداز بے انتہا مؤثر اور سحر انگیز تھا۔ انہوں نے بھی اپنے خطبوں میں بنوامیہ، خوارج اور شیعوں پر شدید حملے کئے۔

یہ اپنی تقریروں میں بنوامیہ کی برائی کرتے اور حضرت حسین کے قتل کے واقعہ کو ان کی دھوکہ دھڑی، اور خون ناحق بہانے اور ظلم و ستم ڈھانے کے مماثل بتا کر سامعین کی ہمدردی بٹورنے اور ان کو امویوں کے خلاف بغاوت کرنے پر ابھارنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

ایسے ہی جب ان کے بھائی مصعب بن زبیر کی شہادت کی خبر ان تک پہونچی تب بھی انہوں نے ایک بہترین خطبہ دیا اور بھائی کی شہادت پر رنج و غم کا اظہار بھی کیا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حوصلوں کو بلند رکھنے کا عزم بھی ظاہر کیا۔

ان کی یہ تقریر ایک معرکۃ الآراء اور نہایت مؤثر تقریر تھی، اس میں انہوں نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کی شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر وہ قتل

ہوگیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس گھرانے کا تو دستور یہی رہا ہے، چنانچہ اس سے قبل اس کے باپ، اس کے چچا اور اس کے چچازاد بھائی کو بھی ایسے ہی قتل کیا گیا تھا۔ مصعب کے والد زبیر جنگ جمل کے بعد شہید ہوئے تھے، ان کے چچا عبدالرحمٰن جنگ یرموک میں شہید ہوئے تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ یوم الدار میں کام آئے۔

مصعب بن زبیر خود ایک اچھے خطیب تھے اور ان کے بھی کچھ خطبے ادب کے مراجع میں محفوظ ہیں۔

اس کے علاوہ اس دور میں خلافت بنوامیہ کے خلاف اور بھی بہت سی بغاوتوں نے سر اٹھایا تھا جنھیں بنوامیہ کے لشکر جرار نے ایک ایک کر کے کچل دیا تھا، ان باغی جماعتوں میں بھی بہت سے اچھے خطیب موجود تھے۔ جیسے مدینہ پر جب یزید بن معاویہ نے چڑھائی کی تب عبداللہ بن حنظلہ نے اپنی جماعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور ہار کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے ہی عمرو بن سعید بن العاص نے عبدالملک بن مروان کے عہد میں شام پر حملہ کیا اور بالآخر شکست سے دوچار ہوا۔ عمرو بن العاص کو خطابت میں بے انتہا مہارت حاصل تھی اسی لئے اس کو اس کی فصاحت و بلاغت پر قدرت کی وجہ سے اشدق کا لقب دیا گیا تھا۔ عراق میں حجاج بن یوسف کے خلاف عبدالرحمٰن بن محمد بن الأشعث نے محاذ بنایا اور مقابلہ کیا۔ یہ بھی اپنے دور کا ایک بہترین خطیب تھا۔ اسی طرح دوسری صدی ہجری کے شروع میں یزید بن المہلب نے یزید بن عبدالملک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس کو بھی اس دور کے ماہر خطیبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

2.3.1.4 خطباء بنوامیہ

ان سب سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں بنوامیہ کی جماعت نظر آتی ہے جو صاحب اقتدار تھی اور یقیناً اس دور کی سب سے بڑی اور مضبوط سیاسی جماعت تھی۔ اس لئے اس جماعت میں ماہر خطیبوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی بلکہ ایک سے بڑھ کر ایک شعلہ بیان خطیب ان کے درمیان موجود تھے، خود ان کے خلفاء اور قائدین بھی خطابت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ خلافت کے بانی حضرت معاویہ بذات خود ایک بہترین خطیب تھے اور ان کے علاوہ عبدالملک بن مروان اور عمر بن عبدالعزیز بھی بہترین خطیبوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امیر معاویہ اور عبدالملک مروان کے خطبے تو زیادہ تر سیاسی نوعیت کے ہیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خطبوں میں وعظ و نصیحت کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

جہاں تک بنوامیہ کے قائدین اور والیوں کی بات ہے تو خطابت کے میدان میں ان کو دوسری جماعت کے قائدین پر خاصی سبقت حاصل رہی۔ ایک سے بڑھ کر ایک ماہر خطیب بنوامیہ کی صفوں میں موجود تھے جن کی تقریروں کو آج بھی فصاحت و بلاغت اور فن خطابت پر قدرت کی بہترین مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مصر میں بنوامیہ کے والی عتبہ بن ابوسفیان اور عراق میں زیاد بن ابیہ، حجاج بن یوسف اور خالد القسری جیسے خطیبوں نے خطابت کے بہترین نمونے پیش کر کے تاریخ ادب کے صفحات پر اپنے نام ہمیشہ کے لئے ثبت کروالئے۔ بنوامیہ کے قائدین میں سرفہرست حجاج بن یوسف کا نام لیا جاتا ہے۔ اگر حجاج کو اس دور کا سب سے بہترین خطیب کہا جائے تو شاید غلط نہیں ہوگا۔ حجاج کو جب خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی متعین کر کے عراق بھیجا گیا تو اس وقت عراق فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، ہر طرف خون ریزی اور بغاوت نظر آ رہی تھی۔ آشوب زدہ ماحول سے نپٹنے کے لئے خلیفہ نے حجاج بن یوسف جیسے مضبوط کمانڈر کا انتخاب کیا جو نہ صرف یہ کہ اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے لئے جانے جاتے تھے بلکہ اپنی خطیبانہ مہارت کے لئے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ لہٰذا جب آپ کو عراق کا والی مقرر کر کے بھیجا گیا تو آپ نے اہل عراق کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا وہ عربی ادب کی تاریخ کے بہترین اور سب سے عمدہ خطبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس تقریر میں ایسی گھن گرج تھی کہ سننے والوں کے دل دہل کر رہ گئے تھے گویا وہ حجاج بن یوسف کے الفاظ نہ ہوں بلکہ تیغ و تفنگ کے وار ہوں، یہ تقریر فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

بنوامیہ کے دور کا دوسرا سب سے بڑا خطیب زیاد بن ابیہ تھا جس کو امیر معاویہ نے عراق اور خراسان کا والی مقرر کیا تھا۔ خطابت میں زیاد کو حجاج کا ہم پلہ مانا جاتا ہے۔ زیاد ایک ماہر سیاستداں تھا۔ اس نے اس وقت عراق میں موجود خراب حالات کو قابو میں کرنے کے لئے سختی سے کام لیا۔ اس کے کئی معاصرین نے اس کی خطابت کی تعریف لکھی ہے۔ حجاج کی ہی طرح زیاد کی بھی زیادہ تر تقریریں سیاسی نوعیت کی تھیں۔ اس کا سب سے مشہور خطبہ وہ خطبہ ہے جو اس نے بصرہ میں دیا تھا اور اس کو اللہ کی حمد و ثنا کے بغیر ہی شروع کر دیا تھا۔ اسی لئے اس خطبے کو البتراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ زیاد کا یہ خطبہ اس عہد کی خطابت کے بہترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ خطبہ اس قدر مؤثر تھا کہ اس کے بعد بصرہ میں امن و امان کی فضا قائم ہوگئی تھی۔ اس میں اس کا انداز بہت دھمکی آمیز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو سن کر بصرہ کے لوگوں پر خوف طاری ہوگیا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے، اس خطبہ کو پڑھ کر اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ زیاد کے وعظ و نصیحت پر مبنی کچھ خطبے بھی ادب کے مختلف مراجع میں موجود ہیں۔

2.3.2 درباری تقریریں اور مختلف مناسبات کی خطابت

قدیم زمانے سے ہی عربوں میں اس کا خوب رواج تھا کہ وہ اپنے سرداروں اور بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوکر بہترین انداز میں تقریریں کیا کرتے تھے۔اس میں مخاطب کی تعریف بھی شامل ہوتی تھی اور اپنے قبائل کی بڑائی بھی۔اسی طرح وہ لوگ مختلف قسم کے اختلافات اور منازعات کی صورت میں صلح کرانے کے لئے بھی تقریروں کا سہارا لیتے تھے۔اسی طرح بازاروں میں میلوں میں اور شادی بیاہ کے موقع پر بھی تقریریں کیا کرتے تھے۔حبشہ میں نجاشی کے دربار میں اور شام میں قیصر کے درمیان میں کی ہوئی ان کی تقریریں تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔وفود کی آمد کا سلسلہ اللہ کے رسول کے زمانے میں ہی شروع ہوگیا تھا خاص طور سے فتح مکہ کے بعد اس میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔خلافت راشدہ کے دور میں یہ سلسلہ جاری رہا۔عہد اموی کے آتے ہی اس میں بے انتہا وسعت پیدا ہوگئی۔یہ وہ درباری تقریریں ہوا کرتی تھیں جنھیں مختلف قبائل کی نمائندگی کے لئے آنے والے وفود کے سربراہ خلیفہ کے سامنے اپنے مسائل بیان کرنے یا اپنی مشکلات کو بتانے یا کسی حاکم یا گورنر یا والی کی شکایت کرنے یا خلیفہ سے مدد مانگنے یا اپنی قوم یا قبیلہ کی تعریف وتوصیف کرنے یا دوسروں کے مقابلے میں فخر ومباہات کرنے یا خلیفہ کو کسی خوشی کے موقع پر مبارکباد دینے یا کسی غم کے موقع پر اظہار ہمدردگی یا تعزیت کرنے کے لئے کیا کرتے تھے۔

یہ تقریریں زبان وبیان کے اعتبار سے فن خطابت کا بہترین نمونہ ہوا کرتی تھیں اور اس زمانے میں ان کی بڑی گرم بازاری تھی۔چنانچہ اس قسم کی خطابت کے ایسے ماہرین اس دور میں سامنے آئے جنھوں نے عربی ادب کی تاریخ میں اپنے نام زریں حروف سے لکھوائے۔

اموی خلفاء نے اپنے دروازوں کو ان وفود کے لئے پوری طرح کھول دیا تھا اور ان کو خوب انعام واکرام سے نوازا جاتا تھا۔خود حضرت معاویہ نے اس میں بہت دلچسپی دکھائی اور ان کے دور سے ہی اس کے نتائج سامنے آنے لگے تھے۔زیادہ تر وفود خلیفہ کے تئیں اپنی اور اپنے اہل قبیلہ کی اطاعت گزاری وفرماں برداری کا پیغام دینے کے لئے آتے تھے۔خلیفہ بھی ان کی خوب خاطر مدارات کرتے اور انھیں خوب نوازتے تھے۔عرب قوم اور خاص طور سے شیوخِ قبائل اور بادیہ میں رہنے والے بھوکے اور تنگ حال بدوؤں کو اپنی طرف مائل کا یہ بہترین طریقہ تھا، چنانچہ حضرت معاویہ کے بعد آنے والے تمام اموی حکمرانوں نے اس طریقے کو اختیار کیا۔وفود کی خطابت کے حوالے سے خاص طور سے سحبان وائل کا نام قابل ذکر ہے۔یہ وائل قبیلہ کی نمائندگی کرتے ہوئے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئے تھے۔اپنے وقت کے بہت ماہر خطیب تھے۔اور شوہاء نامی اپنے خطبے کے لئے جانے جاتے ہیں۔

اسی ضمن میں الأحنف بن قیس کا نام جو قبیلہ تمیم کے نمائندہ کے طور پر حاضر ہوئے تھے اور صحار بن عیاش العبدی کا نام جو بنوعبدالقیس کے نمائندہ تھے قابل ذکر ہے۔

صحار بن عیاش العبدی کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک بار حضرت معاویہ نے اس سے کہا کہ "ماهی البلاغه التی فیکم" یعنی یہ کون سی بلاغت ہے جو تم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔(اپنے اس جملہ سے حضرت معاویہ اس کی قوم بنوعبدالقیس کی خطابت میں شہرت اور مہارت کی طرف اشارہ کررہے تھے)۔تو اس نے جواب میں کہا"شــــئ تجیش به صدورنا، فتقذفه علی ألسنتا" ۔یعنی یہ ایسی چیز ہے جس کا ابال ہمارے سینوں میں اٹھتا ہے۔تو ہمارے سینے اسے ہماری زبانوں کی طرف پھینک دیتے ہیں''۔

بنوعبدالقیس کے دیگر مشہور مقررین میں بنوصوحان، مصقلہ بن رقیہ، رقیہ بن مصقلہ اور کرب بن مصقلہ کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ان سب کا ذکر جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کے پاس ایک خطبہ ہوا کرتا تھا جیسے العجوز (یعنی بوڑھا یا بزرگ) کہا جاتا تھا اور جب بھی وہ لوگ خطبہ دیتے تو اس العجوز خطبے کو پورا یا اس کا کچھ حصہ پڑھنا ضروری سمجھتے تھے۔

جاحظ نے ایک اور شخص عبدالعزیز بن زرارہ الکلابی کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ بھی فن خطابت میں اس زمانے میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز نے ایک بار حضرت معاویہ سے مخاطب ہوکر چار پانچ جملوں میں اپنی ضرورت اس بلیغانہ انداز میں بیان کی کہ حضرت معاویہ اس کی زبان دانی پر عش عش کرا ٹھے۔

ہر خطیب کی یہی سعی وکوشش ہوتی تھی کہ کس طرح اپنی فصاحت وبلاغت اور حسن اسلوب کے ذریعہ خلیفہ یا والی کا دل جیت لیا جائے اور اسے اپنی بات سے مطمئن کردیا جائے۔ان کا انداز بیان اس قدر خوبصورت اور دلپذیر ہوتا تھا کہ دمشق کے درباروں میں جب یہ خطیب تقریر کیا کرتے تھے تو ان کو سننے کے لئے شہر کے نوجوان جوق در جوق وہاں پہنچ جاتے تھے تاکہ ان کی خوش اسلوبی اور فصاحت وبلاغت سے محظوظ ہوسکیں۔

حجاج جیسا جابر اور سخت دل والی بھی ان مقرروں کی زبان دانی اور حاضر جوابی کے سامنے جھک جاتا تھا حالانکہ وہ خود اپنے زمانے کا سب سے مؤثر اور شعلہ بیان خطیب تھا۔ان مقررین میں آپس میں تقریری مقابلے ہوا کرتے تھے،اسی قسم کا ایک مقابلہ حضرت معاویہ کے دربار میں پیش آیا جب یزید کی خلافت کے لئے بیعت کی گئی، ایسے ہی تب جب عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے الولید کے لئے بیعت لینے کا اعلان کیا۔

ان خطیبوں کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ خلیفہ کو اپنی خوش اسلوبی اور فصاحت وبلاغت کے ذریعہ متأثر کیا جائے اور اس کے سامنے اپنی اطاعت وفرماں برداری کا اظہار

کیا جائے۔اسی ضمن میں تعزیت اور مبارکبادی کے خطبوں کو بھی شامل کرلیا جاسکتا ہے جو اس طرح کے مواقع پر دیئے جاتے تھے اور تاریخ ادب کی کتابوں میں ان کے نمونے محفوظ ہیں۔

اس صنف کی خطابت کی شروعات عبداللہ بن ہمام السلولی الکوفی کے ذریعہ ہوئی جو یزید کی بیعت کے وقت یزید کے دربار میں حاضر ہوا اور لوگوں کے جم غفیر کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ایک طرف حضرت معاویہ کے انتقال کی وجہ سے رنج وغم کا ماحول تھا تو دوسری طرف یزید کی بیعت کی خوشی۔ ہر خطیب اس موقع پر زبان کھولنے سے گھبرا رہا تھا کہ اگر وہ خوشی کا اظہار کرے تو اتنے بڑے غمناک حادثے کو کیسے نظرانداز کرے اور اگر مبارکباد پیش کرے تو تہنیت کے لئے کیا اسلوب اختیار کرے۔ چنانچہ اس موقع پر عبداللہ بن ہمام نے ہمت دکھائی اور آگے بڑھ کر اپنی تقریر پیش کی،اس کی وہ تقریر ایک طرف اس کی فصاحت وبلاغت پر دلالت کرتی ہے تو وہیں یہ اس کی ذہانت وفطانت کا ثبوت دیتی ہے۔اس نے ان دونوں جذبات کا اظہار کچھ اس طرح کیا:"یا امیرالمؤمنین! آجرك الله على الرزية، و بارك لك فى العطية،وأعانك على الرعية، فلقد رُزِئْتَ عظيماً، وأُعْطِيتَ جسيماً، فاشكرالله على ما أُعطِيتَ، واصبرْله على ما رُزِئْتَ، فقد فقدتُ خليفةُ الله، ومُنِحْتَ خلافةُ الله، ففارقتُ جليلا ووُهِبْتَ جزيلا"۔

(یعنی اے امیرالمؤمنین! خدا آپ کو اس مصیبت پر اجر دے اور جو عطیہ (یعنی خلافت) دیا گیا ہے اس میں برکت عطا کرے اور رعیت کے سلسلے میں آپ کی مدد کرے ایک طرف آپ پر ایک بڑی مصیبت آن پڑی ہے تو دوسری طرف آپ کو ایک عظیم الشان چیز بھی عطا کی گئی ہے۔اس لئے جو چیز آپ کو عطا کی گئی ہے اس پر خدا کا شکر ادا کیجئے اور جو مصیبت آپ پر پڑی ہے اس پر صبر کیجئے کیوں کہ آپ نے اگر ایک طرف اللہ کے خلیفہ کو کھویا تو دوسری طرف اللہ کی خلافت کو پایا،اور یوں آپ نے ایک طرف ایک عظیم الشان ہستی کا ساتھ چھوڑا تو دوسری طرف ایک بہت بڑی چیز آپ کو مرحمت کردی گئی)

اموی خلافت میں وفود کی کثرت اور خطیبوں کے جلوے ہمیں سب سے زیادہ عبدالملک بن مروان کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں،اسی طرح واعظوں کی کثرت ہمیں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں زیادہ نظر آتی ہے۔

دراصل ان وفود اور درباری خطبوں میں کچھ خطیب ایسے بھی تھے جو خلیفہ کے سامنے واعظانہ خطبے دیا کرتے تھے۔خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں کئی واعظ خطباء حاضر ہوئے اور واعظانہ تقریریں کیں،اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام سب سے اہم ہے کیوں کہ اس قسم کے خطیبوں کا ذکر سب سے زیادہ انھیں کے عہد میں ملتا ہے، خالد بن صفوان،عبداللہ بن الأہتم،محمد بن کعب القرظی جیسے خطیبوں کا نام اس حوالے سے ہمیں ملتا ہے۔

اس کے علاوہ خلیفہ کے والیوں اور قائدین کے درباروں میں بھی وفود کی آمد اور خطیبوں کی جلوہ گری کا سلسلہ اموی دور میں جاری رہا چاہے وہ زیاد بن ابیہ ہوں یا حجاج بن یوسف ہوں جو خود بھی عظیم خطیبوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔اور ان کے درباروں سے بھی بہت سے ماہر خطیب وابستہ تھے۔

زیاد بن ابیہ کے دربار میں عمران بن حطان حاضر ہوئے اور انھوں نے والی کے سامنے ایک بہترین خطبہ پیش کیا۔اسی طرح حجاج کے دربار میں حاضر ہونے والے خطیبوں کی ایک بڑی تعداد کا ذکر ملتا ہے جن میں جامع المحاربی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

2.3.3 واعظانہ خطابت اور قصہ گو خطباء

جس طرح سیاسی خطابت کا اس عہد میں بہت زور رہا اسی طرح قصہ گوئی اور وعظ ونصیحت پر مبنی خطابت کا بھی اس عہد میں بہت فروغ ہوا۔جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبین میں ان خطبوں کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔واعظین اپنے خطبوں میں قصوں کو شامل کرلیتے تھے تو وہیں قصہ گو حضرات پر وعظ ونصیحت کا رنگ غالب آجاتا تھا۔بصرہ میں اس نوعیت کی خطابت کی شروعات الاسود بن سریع کے ذریعہ ہوئی جبکہ کوفہ کے اولین قصہ گو خطباء میں زید بن صوحان مدینہ میں اس کی شروعات عبید بن عمیر اور مسلم بن جندب جبکہ مصر میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ذریعہ ہوئی۔وہب بن منبہ اور سعید بن جبیر وغیرہ بھی اس دور کے اہم قصہ گو خطباء میں شمار کئے جاتے ہیں۔

بصرہ کے دیگر قصہ گو خطباء میں جن کا ذکر جاحظ نے کیا ہے قاضی بصرہ ایاس بن معاویہ اور خالد بن صفوان وغیرہ کے نام اہم ہیں۔اس دور کے واعظین میں سب سے زیادہ شہرت حسن بصری کو ملی اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا ان کے بعد واصل بن عطا اور عبداللہ بن شداد اور الفضل بن عیسیٰ الرقاشی وغیرہ کے نام لئے جاتے ہیں۔

واصل بن عطاء اپنے دور کے عظیم خطیبوں میں سے ایک مانے جاتے ہیں۔اس دور میں علم کلام کو بھی کافی مقبولیت حاصل ہوئی تھی اس لئے واصل اور علم کلام کے دوسرے [illegible] نے اس دور کی خطابت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

اس دور کے خلفاء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بہت سے دینی خطبے کتابوں میں محفوظ ہیں جن کا مرکزی خیال اللہ کی اطاعت، اس کی نافرمانی سے اجتناب، قیامت کے دن کا حساب وکتاب اور جزاء وسزا جیسے موضوعات ہوا کرتے تھے۔ خطبوں میں اس واعظانہ رنگ کا اس دور میں اس قدر غلبہ ہو گیا تھا کہ جو بھی خطبہ دینے کھڑا ہوتا اس کے خطبہ میں کچھ نہ کچھ واعظانہ باتیں ضرور ہوا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ مشہور اموی کمانڈر اور والی حجاج بن یوسف کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب وہ مسجد میں منبر پر چڑھتا تھا تو کہتا تھا کہ: ''اے لوگو! خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرنا، یہ اس کے عذاب کو برداشت کرنے کے مقابلے میں بہت آسان ہے''۔ حجاج کے علاوہ کچھ دوسرے سخت دل اور سخت گیر حکام اور والی تھے جو اس طرح کی واعظانہ باتیں خطبوں کے دوران کیا کرتے تھے۔

واعظانہ مقررین کا یہ طبقہ اس عہد میں ہر اسلامی شہر میں پایا جاتا تھا۔ اموی خلفاء وحکام نے کئی جید واعظین اپنے یہاں ملازم کے طور پر بھی رکھے ہوئے تھا اور قصے دن میں دو مرتبہ سنائے جاتے تھے، ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اور دوسری مرتبہ مغرب کے نماز کے بعد۔ اس طبقہ واعظین کا کام مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرنا اور انھیں اچھے کاموں کی ترغیب وتلقین کرنا تھا۔ الجاحظ کی البیان والتبین میں اس قسم کی واعظانہ تقریریں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

ان واعظین میں ابراہیم التیمی الکوفی اور سعید بن جبیر کا نام خاص طور سے لیا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر کا یہ معمول تھا کہ وہ روز فجر اور عصر کی نماز کے بعد وعظ کیا کرتے تھے۔ مسجد نبوی میں الجاحظ نے دیگر واعظین میں یزید بن ابان الرقاشی کا ذکر بھی بطور خاص کیا ہے اور ان کے ایک خطبے کا یہ جز بھی ذکر کیا ہے کہ:

"لیتنا لم نُخْلَقْ، ولیتنا اذ خُلقنا لم نعص، ولیتنا إذ عَصینا لم نمت، ولیتنا إذ متنا لم نُبعث، ولیتنا إذ بُعثنا لم نُحاسَب، ولیتنا إذ حُوسبنا لم نُعذب، ولیتنا إذ عُذبنا لم نُخلد"۔

(یعنی اے کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتے، اور اگر پیدا ہو گئے تو کاش ہم خدا کی نافرمانی نہ کرتے، اور اگر نافرمانی کرتے تو کاش ہم نہ مرتے اور اگر مر جاتے تو کاش دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے اور اگر زندہ کر دئے جاتے تو اے کاش ہم سے حساب کتاب نہ ہوتا اور اگر حساب کتاب ہوتا تو کاش ہمیں عذاب نہ دیا جاتا، اور اگر عذاب دیا جاتا تو اے کاش اسی عذاب میں ہمیشہ نہ رہنا پڑتا)

اس دور کے مشہور ترین واعظین خطباء میں جماعت معتزلہ کا سردار واصل بن عطا بھی تھا۔ وہ بے انتہا فصیح وبلیغ اور بہت ذی علم انسان تھا۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک بار وہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں حاصل ہوا۔ اس وقت عبداللہ بن عمر عراق کے امیر تھے۔ (۱۲۶ھ۔۱۲۹ھ) واصل کے ہمراہ اس وقت خالد بن صفوان، شبیب بن شیبہ اور فضل بن عیسیٰ الرقاشی بھی تھے۔ عبداللہ بن عمر کے دربار میں چاروں خطیبوں میں زوردار مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں واصل اپنے تینوں ساتھیوں پر غالب آ گیا۔ اس کا وہ خطبہ اس عہد کے بہترین خطبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا جاتا ہے:

"الحمدالله القدیم بلا غایة، والباقی بلا نهایة، الذی علا فی دُنوه، ودنا فی عُلُوه، فلا یحویه زمانٌ ولا یحیط به مکانٌ، ولا یؤوده حفظُ ما خَلَقَ، ولم یخلقه علی مثال سَبَق، بل انشأه ابتداعا، وعدله اصطناعاً، فأحسن کل شی خَلْقَه، وتمم مشیئته، وأوضح حکمته، فدل علی ألوهیته، فسبحانه لا مُعَقِبَ لحکمه ولا دافع لقضائه، تواضع کل شی ءلعظمته، وذل کل شی ءلسلطانه، ووسع کلُ شی ءفضلَه، لایَعزُبُ عنه مثقالُ حبة وهوالسمیع العلیم، وأشهد أن لا إله الله وحده الها تقدست أسماؤه وعظمت آلاؤه، وعلا عن صفات کل مخلوق، وتنزه عن شبیه کل مصنوع، فلا تبلغه الأوهام، ولا تحیط به العقول والافهام، یُعصَی فیَحلم، ویُدعَی فیسمع، ویقبل التوبة من عباده، ویعفو عن السیئات، ویعلم ما تفعلون"۔

(یعنی اس خدا کے لئے ہر قسم کی حمد وثنا ہے جو غیر معلوم مدت سے قدیم ہے اور جو نہ ختم ہونے والی مدت تک باقی رہے گا، جو باوجود قریب ہونے کے دور اور جو دور ہونے کے قریب ہے۔ نہ کوئی زمانہ اسے اپنے اندر سمو سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے، جو چیز اس نے پیدا کر دی ہے اس کی حفاظت میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے اور نہ اس نے کسی سابق چیز کی مثال پر اسے پیدا کیا ہے۔ (یعنی ہر مخلوق بالکل نئی اور اچھوتی ہے کوئی کسی سے پوری طرح مشابہ نہیں ہے) بلکہ ہر چیز کو اس نے خود ہی ایجاد کر کے بنایا ہے اور پھر اسے پوری مہارت اور چابکدستی سے ہر طرح مکمل بنایا اور پھر اپنی مخلوق کو پوری طرح سنوارا اور نکھارا اور اس طرح اپنی مرضی پوری کی اور اس کے ذریعہ اپنی حکمت کو پوری طرح بیان کیا، اور یوں اپنی خدائی کی دلیل دی، بڑی پاک وصاف ہے اس کی ذات اور اس کے حکم کو نہ کوئی ٹال سکتا ہے اور اس کے فیصلے کو نہ کوئی روک سکتا ہے۔ ہر چیز اس کی عظمت وبڑائی کے آگے سرنگوں اور اس کی فرماں روائی وسلطانی کے آگے ذلیل وحقیر ہے۔ اس کا فضل وکرام ہر چیز کو حاوی ہے اور رائی کے برابر بھی اس سے کوئی چیز تجاوز نہیں کر سکتی۔ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی چیز پوجنے کے لائق سوائے یکتا اللہ کے جس کے تمام بڑے نام بڑے مقدس اور پاک ہیں، اور جس کی نعمتیں اور مہربانیاں بہت بڑی ہیں، جو ہر مخلوق میں موجود صفات سے بلند اور ہر بنائی ہوئی چیز کی مشابہت اور مماثلت سے مبرا ہے۔ اس کی ہیئت کو سوچنے سمجھنے کی کوئی طاقت

قادر نہیں ہو سکتی اور نہ عقل وفہم اس کا احاطہ کر سکتی ہے، اس کی نافرمانی کی جاتی ہے تو وہ عفو ودرگزر سے کام لیتا ہے اور اس کو پکارا جاتا ہے تو وہ بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور ان کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کرتا ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اسے وہ جانتا ہے۔)

واصل کی یہ تقریر جہاں ایک طرح قرآن وحدیث کی بہت سی تعلیمات کی طرف اشارہ کرتی ہے اور ان کی بنیاد پر وعظ ونصیحت کی باتیں پیش کرتی ہے تو وہیں یہ متکلمین اور معتزلہ کے عقائد وانداز بیان کا بھی ایک نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

اپنے اسی خطبے میں واصل آگے چل کر تقویٰ اور عمل صالح کی ترغیب دیتا ہے۔ اور دنیا اور اس کی لذتوں میں غرق ہونے سے ہوشیار رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ وہ آگے کہتا ہے:

”اوصيكم عبادَ الله مع نفسى بتقوى الله والعمل بطاعته والمجانبة لمعصيته، واحضكم على ما يُدنيكم منه، ويُزلفكم لديه، فإن تقوى الله أفضل زاد وأحسن عاقبة فى معاد، ولا تُلهينَّكم الحياةُ الدنيا بزينتها وخدعها وفواتن لذاتها، وشهوات آمالها، فإنها متاع قليل ومدة إلى حين، وكل شئ فيها يزول، فكم عانيتم من أعاجيبها وكم نَصَبَتْ لكم من حبائلها، وأهلكتْ من جَنَحَ إليها واعتمد عليها، أذاقتهم حلواً ومزجتْ لهم سُماً“

(یعنی اے اللہ کے بندوں! میں تمہیں اور خود اپنے آپ کو تقویٰ اور اللہ کی اطاعت گزاری اور اس کی معصیت سے اجتناب کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اور میں تمہیں ان کاموں کو کرنے کی ترغیب دیتا ہوں جو تمہیں اللہ سے قریب کر دیں اور تمہیں اس کا مقرب بنا دیں، کیوں کہ تقویٰ اور اللہ کی اطاعت ہی آخرت کے لئے بہترین توشہ ہے۔ اور اسی کا انجام آخرت میں سب سے اچھا ہوگا جو اس کو حاصل کرے گا، یہ دنیا تمہیں اپنی زینت وچمک دمک، پرفریب اور فتنہ پرور لذتوں اور شہوتوں کے ذریعہ ہرگز دھوکہ نہ دینے پائے۔ کیوں کہ یہ ایک بہت ہی معمولی چیز ہے اس کی مدت بہت ہی مختصر ہے اور اس کی ہر شی بہت جلد فنا ہونے والی ہے، تم کس قدر اس کے دام فریب میں آچکے ہو اور جس نے اس کے اوپر بھروسہ کیا اس نے اسے تباہ وبرباد کر دیا۔ اس نے اسے سبز باغ دکھائے اور پھر اسے بادسموم کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ کیوں کہ اس کی ہر میٹھی اور لذیذ چیز درحقیقت زہر آلود ہوتی ہے)

جاحظ نے واصل کی فصاحت وبلاغت اور فن خطابت میں اس کی مہارت کو خوب سراہا ہے اور کہا ہے کہ وہ زبان وبیان اور فصاحت وبلاغت کا ایک معجزہ تھا۔

اس دور میں بڑے بڑے خطیبوں کے درمیان خطابت کے مقابلے بھی ہوا کرتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں مقابلہ ہوا جس میں واصل بن عطاء، خالد بن صفوان، شبیب بن شیبہ اور فضل بن عیسیٰ الرقاشی کے درمیان خطابت کا مقابلہ ہوا جس میں واصل بن عطا نے بازی ماری۔

وعظ ونصیحت اور قصہ گوئی کی خطابت کے حوالے سے ایک بات اور قابل ذکر ہے وہ یہ کہ سیاسی خطباء اور وفود کے خطباء کے برعکس یہ اس صنف کے خطباء بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے اور ان کے ارد گرد ان کے سامعین کا حلقہ سجا ہوتا تھا۔

اس سلسلہ میں حسن بصری کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ حسن بصری نے اپنی زندگی وعظ ونصیحت کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس زمانے کے عظیم واعظین میں آپ کو گردانا جاتا ہے۔ نمونے کے طور پر آپ کو پیش کیا جاتا تھا۔ تمام مؤرخین اور اہل قلم نے ان کی فصاحت وبلاغت کی تعریف کی ہے۔ جاحظ کی البیان والتبیین، ابن قتیبہ کی عیون الاخبار اور ابن عبدربہ کی العقد الفرید وغیرہ میں آپ کی واعظانہ تقریریں مذکور ہیں جو اس فن میں آپ کے عظیم مقام ومرتبہ کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں آپ کی تعریف کی ہے۔ آپ کی تقریروں کا دارومدار اکثر قرآنی آیات اور احادیث رسول پر ہوا کرتا تھا۔ دنیا سے خود کو محفوظ رکھنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ تقویٰ وعمل صالح کی ترغیب دیتے تھے۔

اس دور کی خطابت کی خاص بات یہ بھی تھی کہ اس عہد میں اور اس کے بعد انشاء پردازی کا جو مسجع ومقفیٰ اسلوب رائج ہوا اس پر اس عہد کی خطابت کے اسلوب کا کافی اثر تھا۔ گویا اس اسلوب کی شروعات انھیں تقریروں اور خطبوں سے ہوئی تھی۔

اس دور کی خطابت کو عصر رسول اور خلافت راشدہ کی خطابت کا ارتقاء کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس دور میں خطابت کے اسلوب میں کچھ تبدیلیاں بھی واقع ہوئیں۔ مثال کے طور پر اس دور سے قبل خطبے اکثر مختصر ہوا کرتے تھے، لیکن اس دور کے زیادہ تر خطبے ہمیں نسبتاً طویل اور مفصل نظر آتے ہیں۔ اس تبدیلی کے پیچھے کئی اسباب کارفرما تھے۔ مثلاً یہ کہ خطبوں کا اصل مقصد خلیفہ کے حکم یا پیغام کو رعایا تک پہونچانا تھا اور اس دور میں چونکہ فتوحات کثرت سے ہوئیں اور اسلامی ریاست میں توسیع ہوتی رہی اور رعایا کی تعداد اور ان کے مسائل ومعاملات میں بھی کثرت واقع ہوئی اس لئے تقاضا یہی تھا کہ اسی کے مطابق تفصیل سے اپنی بات کو عوام کے سامنے رکھا جائے۔ اسی طرح اس عہد میں جس طرح بغاوتوں اور جنگوں کا سلسلہ جاری رہا قائدین اور والیوں کو اپنے متبعین کو جنگ پر ابھارنے اور اپنا حکم منوانے کے لئے وعدہ ووعید کے مختلف طریقے استعمال کرنا پڑتے تھے جس کی وجہ سے بات مختصر ہونے کے بجائے اکثر طویل ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کارفرما تھا کہ پچھلے ادوار کے خطبوں کے مخاطب اکثر خالص عرب ہوا کرتے تھے جو مختصر اور

جامع لب و لہجے کو بھی بآسانی سمجھ لیا کرتے تھے جبکہ اس دور میں غیر عربوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد خطیبوں کے سامنے ہوا کرتی تھی جن کو نہایت مختصر اور جامع انداز میں ہر بات سمجھانا آسان نہیں تھا، اس لئے بسط وشرح کا سہارا لیا گیا۔

اس دور کی خطابت میں وعید اور ترہیب کا عنصر بھی بالکل نمایاں نظر آتا ہے، بطور خاص اس دور کے سیاسی خطبات میں ہمیں یہ عناصر غالب نظر آتے ہیں جیسا کہ ہم حجاج بن یوسف اور زیاد بن ابیہ وغیرہ کے خطبوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

اس دور کی خطابت میں ہمیں اس دور کے حالات کی بہترین تصویر نظر آتی ہے خواہ وہ سیاسی اتھل پتھل ہو، یا مذہبی بحث ومباحثے ہوں یا علم کلام کے مناظرے ہوں یا وعظ ونصیحت کے حلقے ہوں، لوگوں کے آپسی اختلافات ہوں، یا قبائلی منافرتیں ہوں، یا معاشرتی محفلیں اور ملاقاتیں ہوں یا لوگوں کے آپسی تعلقات ہوں۔ غرض یہ کہ اس وقت کی خطابت اس دور کے سماج اور معاشرے کی بہترین تصویر پیش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

2.4 اموی دور کے چند مشہور خطباء

2.4.1 زیاد بن اُبیہ

زیاد کی پیدائش عام الہجرۃ یعنی ہجرت کے سال یا اس سے کچھ پہلے ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مشرق کی جانب ہونے والی فتوحات میں زیاد بھی شریک تھا۔ بچپن سے ہی بے انتہا ذہین اور فصیح وبلیغ تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے اپنے دور خلافت میں بلاد فارس کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے جب خلافت کا عہدہ سنبھالا تو زیاد کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا۔ حضرت معاویہؓ نے زیاد کی کارکردگی دیکھی تھی اس لئے وہ اس کے بڑے قدردان تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اسے ۴۵ھ میں بصرہ، خراسان اور سجستان کا والی مقرر کر دیا۔ بعد میں کوفہ بھی اس کے ماتحت کر دیا۔ اس طرح پورا عراق اس کے ماتحت ہو گیا۔

زیاد ایک بہترین خطیب تھا، اپنی بات کو مؤثر انداز میں ادا کرنے کے لئے بہترین الفاظ اور انداز کا انتخاب کیسے کرنا ہے یہ اس کو بہت اچھی طرح آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فن خطابت میں اس کی بے پناہ مہارت کے اس معاصرین بھی قائل تھے، چنانچہ اس کے بارے میں شعبی کا کہنا ہے کہ میں جب بھی منبر پر کسی ایسے آدمی کو بولتے ہوئے سنتا جو بہت اچھا بولتا ہو تو میری خواہش یہی ہوتی تھی کہ وہ خاموش ہو جائے تاکہ اس کے منہ سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے سوائے زیاد کے، کیوں کہ وہ جب بھی بولتا ہے بہت اچھا بولتا ہے۔ زیاد کی تقریریں بھی حجاج بن یوسف کی طرح دو اہم موضوعات کے اردگرد گھومتی تھیں۔ ایک سیاست اور دوسرا وعظ ونصیحت۔ اس کے خطبوں کے کچھ اجزا ہم تک پہونچے ہیں اور اس کا ایک طویل سیاسی خطبہ بھی تاریخ وادب کی کتابوں میں موجود ہے جو اس دور کے بہترین خطبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ زیاد کا یہ خطبہ البتراء کہلاتا ہے اسے البتراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ زیاد نے اپنے اس خطبے کو بغیر حمد وثنا کے شروع کیا تھا، اور بتراء کے معنی عربی میں ناقص یا ادھورے کے آتے ہیں۔ اس خطبے کی ایک جھلک آپ کے سامنے یہاں پیش کی جاتی ہے:

”أما بعد فإن الجهالة الجَهلاء والضلالة العَمياء، والغي المُوفي بأهله على النار ما فيه سفهاؤكم ويشتمل عليه علماؤكم من الأمور العظام، ينبت فيها الصغير ولا يتحاشى عنها الكبير كأنكم لم تقرؤا كتاب الله ولم تسمعوا ما أعد الله من الثواب الكريم لأهل طاعته والعذاب الأليم لأهل معصيته في الزمن السرمدي الذي لا يزول، أتكونون كمن صرفتْ عينيه الدنيا، وسدتْ مسامعَه الشهواتُ واختار الفانيةَ على الباقية“۔

(یعنی بدترین جہالت اور تاریک گمراہی اور دوزخ کے عذاب کو واجب کر دینے والی کج روی جس میں تمہارے احمق اور بے وقوف لوگ مبتلا ہیں اور جس میں تمہارے عقلمند لوگ بھی برابر کے شریک ہیں وہ یقیناً ایک بہت ہی اہم اور سنجیدہ مسئلہ ہے۔ اسی صورت حال میں تمہارے بچے پلتے ہیں اور اسی میں تم بڑے ہو کر جیتے ہو تو ایسا لگتا ہے گویا تم نے اللہ کی کتاب پڑھی ہی نہیں۔ اور اللہ نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لئے ثواب تیار کیا ہے اور اپنے نافرمان بندوں کے لئے وہ سخت عذاب تیار کیا ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ ایسا لگتا ہے اس کے بارے میں تم نے کچھ سنا ہی نہیں۔ کیا تم ان لوگوں کی طرح ہو گئے ہو جن کی آنکھوں میں دنیا بس گئی ہو اور شہوتوں نے جن کے کان بند کر دئے ہوں، جنھوں نے باقی رہنے والی آخرت کو بھلا کر اس فنا ہونے والی دنیا کو گلے لگا لیا ہو)

2.4.2 طارق بن زیاد

طارق بن زیادہ اموی دور میں مصر کے والی موسی بن نصیر کا ایک غلام تھا۔ خود موسیٰ بن نصیر بھی عبدالعزیز بن مروان کا آزاد کردہ غلام تھا۔ طارق بن زیادہ کے خاندان اور ذاتی حالات کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتی اور جو معلومات ملتی بھی ہے اس میں بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ان کے نام تک کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان کا نام طارق زیاد تھا یا طارق بن عمرو تھا۔ اسی طرح اس بات کو لے کر بھی اختلاف ہے کہ وہ بربر نسل سے تھے یا بلاد فارس کے موالی قوم سے ان کا تعلق تھا یا کسی اور قبیلے سے البتہ اس بات پر زیادہ تر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ موسی بن نصیر کے آزاد کردہ غلام تھے اور موسیٰ نے انھیں طنجہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اندلس کی فتح میں طارق بن زیاد کا بہت ہی اہم رول تھا۔ موسی بن نصیر نے سب سے پہلے جو فوج فتح اندلس کے لئے روانہ کی تھی اس کا سربراہ طارق بن زیاد ہی کو بنایا تھا۔ اس بابت ایک قصہ بہت مشہور ہے کہ جب طارق نے اپنے سات سو سپاہیوں کے ساتھ چار کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کو پار کر لیا اور الجزیرۃ الخضراء کے سامنے صخرۃ الاسد نامی پہاڑی پر اپنی کشتیوں کو لنگر انداز کر دیا، تب اسپین کے حاکم لذریق کی فوجی طاقت کو دیکھ کر طارق کو یہ اندازہ ہو گیا کہ مقابلہ بے انتہا مشکل ہے اور اس کو جیتنے کے لئے ان کے سپاہیوں کو جان کی بازی لگانی ہوگی، ورنہ سب کے سب لقمۂ اجل بن کر رہیں گے۔ اسی لئے طارق نے ان سبھی کشتیوں کو جلانے کا حکم دے دیا جن پر سوار ہو کر ان لوگوں نے سمندر پار کیا تھا تاکہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اب ان کے پاس میدان چھوڑ کر بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں بچا ہے اور اب انھیں سر بہ کفن میدان جنگ میں کودنا پڑے گا۔ اس موقع پر اپنے سپاہیوں کے حوصلوں کو بڑھانے کے لئے طارق بن زیاد نے ایک جوشیلہ خطبہ دیا تھا جو نہ صرف بحیثیت ایک کمانڈر کے خطبے کے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے بلکہ فصاحت وبلاغت کا وہ بہترین معجزہ ہے جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ یہاں اس خطبے کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

"یا ایھا الناس این المفر، البحر من ورائکم والعدو أمامکم ولیس لکم واللہ إلا الصدق والصبر، واعلموا أنکم فی ھذہ الجزیرۃ أضیع من الأیتام فی مأدبۃ اللآم، وقد استقبلکم عدوکم بجیشہ وأسلحتہ، وأقواتُہُ موفورۃٌ، وأنتم لا وزر لکم إلا سیوفکم ولا أقوات إلا ما تستخلصونہ من أیدی عدوکم، وإن امتدت بکم الأیام علی افتقارکم ولم تنجزوا لکم امرا ذھبتْ ریحُکم، وتعوضت القلوب من رعبھا منکم الجراءۃَ علیکم، فادفعوا عن انفسکم خزلان ھذہ العاقبۃ من أمرکم بمناجزۃ ھذا الطاغیۃ"۔

(یعنی اے لوگو! اب بھاگنے کا راستہ کہاں ہے؟ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے سامنے ہے اور خدا کی قسم اب تمہارے لئے سوائے سچائی اور صبر کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تم اس جزیرہ میں ان یتیم بچوں سے زیادہ لاچار اور کم مایہ ہو جو کمینوں کے چنگل میں پھنس گئے ہوں۔ تمہارے دشمن نے تمہارا استقبال اپنی فوج سے کیا ہے۔ اس کے پاس طاقت، سامان خورد ونوش اور اسلحہ کی فراوانی ہے جبکہ تمہارا تمہاری تلواروں کے سوا نہ کوئی سہارا ہے نہ ہی کوئی مددگار، اور نہ ہی کوئی خورد ونوش کا سامان سوائے اس کے جو تم خود سے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے چھین کر حاصل کر لو اور اگر بہت دنوں تک تمہاری محتاجگی اور کسمپرسی قائم رہی اور تم کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے تو یاد رکھو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور یہاں کے لوگوں کے دلوں میں تم سے خوف کے بجائے تم پر دست درازی کرنے کے خیالات پیدا ہونے لگیں گے۔ اس لئے اس سرکش حاکم سے نبرد ڈٹ کر مقابلہ کر کے اس ذلت آمیز نتیجہ سے اپنے آپ کو محفوظ کر لو۔)

2.4.3 حجاج بن یوسف

ابو محمد حجاج بن یوسف کی پیدائش طائف میں ۲۱ھ ہوئی تھی۔ حجاج ایک پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو معاشی اعتبار سے قدرے تنگ دست تھا۔ شروع میں وہ ایک رنگ ریز کے یہاں کام کرتا تھا لیکن بے انتہا دلیر اور چرب زبان تھا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اموی خلیفہ یزید نے ایک لشکر مدینہ میں اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے روانہ کیا اور اس میں حجاج کو بھی شامل کر لیا گیا۔ جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو اس نے حجاج کو مصعب بن زبیر سے جنگ کرنے اور عراق کو ان کے اثر سے آزاد کرانے کے لئے ایک فوج کا کمانڈر بنا کر بھیجا۔ حجاج نے مصعب بن زبیر کو قتل کر کے عراق کو ان کے حامیوں سے آزاد کرا لیا اور اسے عبدالملک بن مروان کے زیر نگیں کر دیا۔ اس کامیابی اور اس کے بعد کئی دوسری جنگی کامیابیوں کے بعد خلیفہ نے حجاج کا مقام بلند کر دیا اور اسکی خوب قدر کی۔ ۷۲ھ میں عبدالملک نے ایک لشکر جرار حجاج کی سربراہی میں عبداللہ بن زبیرؓ سے مقابلے کے لئے مکہ کی طرف روانہ کیا۔ حجاج نے مکہ پر حملہ کیا اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کروا کر مکہ میں سولی پر لٹکوا دیا۔ اس موقع پر حجاج نے اہل مکہ کے سامنے ایک خطبہ دیا تھا جو اس طرح تھا:

"يـا أهل الحجاز، كيف رأيتمونى، الم أكشف ظلمة الجور وطخية الباطل بنورالحق، والله لقد وَطِئَكم الحجاجُ وطأةَ مشفق وعطفة رحم ووصل قرابة، فاياكم أن تزلوا عن سنن أقمناكم عليه، فأقطع عنكم ما وصتُله لكم بالصارم البتار وأقيم من أَوَدكم ما يقيم المثقفُ من أود القناة بالنار، ثم نزل وهو يقول

أخـو الـعـرب إن عَـضَّـتْ بـه الـحـربُ عَـضَّـهـا
وإن شَـمَّـرَتْ عـن سـاقـهـا الـحـربُ شـمـرا

یعنی اے حجاز کے لوگو! تم نے مجھے کیسا پایا؟ کیا میں نے ظلم کی تاریکی اور باطل کے اندھیرے سے پردہ ہٹا کر نور حق سے دنیا کو منور نہیں کر دیا؟ خدا کی قسم تمہاری سرزمین پر حجاج نے ایک مشفق، قریبی، ایک عزیز اور رشتہ دار کی طرح قدم رکھا ہے اس لئے خبردار اس راستہ سے ہرگز نہ ہٹنا جس کو ہم نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے، ورنہ جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے اسے دھاردار تلوار سے کاٹ کے رکھ دوں گا اور تمہاری کج روی کو آگ کے ذریعہ ایسے ہی سیدھا کر دوں گا جیسے نیزے کی کجی کو نیزہ درست کرنے والا آگ سے دور کرتا ہے۔ پھر وہ منبر سے اترا اور یہ شعر پڑھا: میں ایک ایسا جنگجو سپاہی ہوں کہ اگر جنگ اسے کاٹے گی تو وہ بھی اسے کاٹے بغیر نہ چھوڑے گا اور جنگ شروع ہو جائے تو وہ بھی اس کے لئے تیار رہے گا۔

حجاج کو جب عراق کا والی بنا کر بھیجا گیا تب اس نے اہل عراق کے سامنے بھی ایسی ہی جوشیلی اور زبردست تقریریں کیں کہ اہل عراق کے دل دہل گئے اور روح کانپ اٹھی۔ حجاج کے یہ خطبے تاریخ و ادب کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور ادب کے شہ پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عراق پہونچ کر حجاج نے جو تقریر اہل عراق کے سامنے کی تھی اس کی ایک جھلکی یہاں پیش کی جاتی ہے۔

"والـلـه يـا أهـل الـعـراق إن اميـرالمؤمنين عبدَ الملك نَثَلَ كنانتَهُ بين يديه، فعَجَمَ عيدانَها عوداً عوداً، فوجدنى أَمرَّها عودا و أشدها مسكـاً، فـوجهنى إليكم ورماكم به، يا أهل العراق، يا أهل النفاق والشقاق ومساوئ الأخلاق، إنكم طالما أوضعتم فى الفتنة، واضطجعتم فى مـنـاخ الـضـلال، وسننتم سنن الغى، وأيم الله لألحونكم لحوالعود، ولأقرعنكم قرع المروة، ولأعصبنكم عصب السلمة، ولأضربنكم ضرب غرائب الإبل"۔

(یعنی اے عراق کے لوگو! اللہ کی قسم امیر المؤمنین عبد الملک نے اپنے ترکش کے سارے تیر نکال کر ہر ایک کو دانت سے چبا کر دیکھا، اور ان میں سے مجھ کو ہی سب سے زیادہ کڑوا، سخت اور مشکل سے ٹوٹنے والا پایا، اس لئے تم کو مجھ سے ہی مارا، اے عراق کے لوگو! تم نفاق اور اختلاف کی جڑ ہو اور تم بدترین اخلاق کے حامل ہو۔ تم فتنہ و فساد کی طرف تیزی سے بڑھتے ہو اور ضلالت و گمراہی کے بستروں پر سوتے ہو، خدا کی قسم میں تم لوگوں کی ایسے ہی کھال کھینچوں گا جیسے کسی لکڑی کی چھال اتاری جاتی ہے اور میں تمہاری ڈنڈوں سے ایسے ہی پٹائی کروں گا جس طرح مسلمہ نامی درخت کو اس کے پتے جھاڑنے کے لئے پیٹا جاتا ہے اور میں تمہیں ایسے ہی ماروں گا جیسے لوگ انجانے اونٹوں کو اپنے کنوں سے بھگانے کے لئے مارتے ہیں)

2.4.4 حسن بصری

حسن بصری کی پیدائش مدینہ میں ۲۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ خیرہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں۔ آپ کا رجحان بچپن سے ہی دینداری اور تحصیل علم کی طرف تھا۔ اس دور میں جاری سیاسی سرگرمیوں میں آپ نے کبھی بھی دلچسپی نہیں لی۔ گویا آپ نے خود کو دین پر عمل کرنے اور اس کی خدمت کرنے کے لئے وقف کر دیا تھا اور اپنا زیادہ تر وقت قرآن و حدیث کے مطالعہ میں ہی گزارا کرتے تھے۔ آپ سے بہت سی احادیث بھی مروی ہیں۔ جب مشرق کی جانب فوجی مہم زوروں پر تھی تب آپ بھی اس میں شریک ہوئے اور خراسان کے بعض والیوں کے یہاں کچھ دفتری کام پر مامور ہوئے اور تقریباً دس سال تک اس کام سے منسلک رہے۔ اس کے بعد ۱۱۰ھ میں اپنی وفات تک بصرہ میں ہی گوشہ نشین رہے اور دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کو اپنے دور کے سب سے بڑے واعظین میں شمار کیا جاتا ہے۔ فصاحت و بلاغت میں بھی آپ کی اپنی ایک الگ پہچان تھی۔

ویسے تو بنوامیہ کے دیگر خلفاء کے یہاں بھی آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا لیکن بطور خاص حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد میں آپ کو بہت ہی خاص مقام حاصل ہوا کیوں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز خود ایک متقی و صالح خلیفہ تھے اور وہ ایسے لوگوں کو بہت پسند کیا کرتے تھے۔ 'البیان التبیین' العقد العزید اور عیون الأخیار جیسے ادب کے اہم اور مستند مراجع میں حسن بصری کے خطبوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو آپ کی واعظانہ اور خطیبانہ صلاحیت کا بین ثبوت پیش کرتی ہے۔ وہ اپنے خطبوں میں اکثر تقویٰ اور عمل صالح

اورآخرت کی تیاری کرنے پر ابھارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اپنے ایک خطبہ میں آپ فرماتے ہیں:

”یاابن آدم بع دنیاك بآخرتك تربحها جمیعاً، ولا تبع آخرتك بدنیاك فتخسرهما جمیعاً، یا ابن آدم إذا رأیت الناس فی الخیر فنافسهم فیه، وإذا رأیتهم فی الشر فلا تغبطهم به، الثواء هاهنا قلیل والبقاء هناك طویل“۔

(یعنی اے ابن آدم اپنی دنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دے تو تجھے دونوں چیزیں مل جائیں گی۔اور اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے مت بیچ ورنہ دونوں ہاتھ سے جائیں گی۔ جب لوگوں کو خیر کے کام کرتے دیکھو تو اس میں ان کا مقابلہ کرو اور جب انھیں کوئی برائی کرتے دیکھو تو ان پر رشک نہ کرو، اس دنیا میں بہت کم رہنا ہے مگر آخرت میں بہت رہنا ہے)

بسا اوقات آپ اپنے خطبے میں قرآن کی کسی آیت کی دل نشین انداز میں تشریح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے قرآن کی آیت ”إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً“ کو کچھ اس طرح اپنے وعظ میں سمجھایا کہ:

”إن قوما غَدَوا فی المطارف العتاق والعمائم الرقاق یطلبون الإمارات ویضیعون الأمانات، یتعرضون للبلاء وهم منه فی عافیة، حتی إذا اَخافوا من فوقهم من أهل العفة وظلموا من تحتهم من أهل الذمة، اهزلوا دینهم وأسمنوا براذینهم، ووسعوا دورهم وضیقوا قبورهم“۔

(یعنی بے شک وہ لوگ جو ریشم کے بہترین لباس زیب تن کئے ہوئے اور سروں پر بہت ہی باریک کپڑوں کے عمامے باندھے ہوئے حکومت و بادشاہت کو طلب کرتے ہیں۔اور امانتوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔وہ اپنے آپ کو ان مصیبتوں اور پریشانیوں کے حوالے کر دیتے ہیں جن سے وہ محفوظ تھے۔یہاں تک کہ جب انہوں نے اپنے سے بلند تر پاک دامن اور نیک لوگوں کو ڈرانا شروع کر دیا اور اپنے ماتحت ذمیوں پر ظلم ڈھانا شروع کر دیا تو انہوں نے اپنے دین کو کمزور اور اپنی سواریوں موٹا کرنا شروع کر دیا۔(یعنی دین کو بھلا کر مال ودولت لوٹنے میں لگ گئے) اور اپنے گھروں کو کشادہ کرلیا اور اپنی قبروں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔)

2.5 خلاصہ

عربوں کو شروع سے ہی خطابت میں بے پایاں مہارت حاصل تھی، عہد جاہلیت اور عصر رسول وخلافت راشدہ میں عربوں نے خطابت میں جو جوہر دکھائے اس کے نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں، لیکن عصر اموی کو عربی خطابت کا سنہری دور کہا جائے تو شاید غلط نہیں ہوگا، کیوں کہ جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا کہ جس انداز سے خلافت راشدہ کے آخری ایام میں اور اس کے بعد جو سیاسی اتھل پتھل اور افراتفری برپا ہوئی اور مختلف سیاسی وغیر سیاسی جماعتیں جس طرح سے آپس میں نبرد آزما ہوئیں اس طرح کے ماحول میں خطابت جیسے فن کو فروغ حاصل ہونا ایک فطری بات تھی اور ایسا ہی ہوا کہ ہر جماعت کے اپنے خطیب ہوا کرتے تھے جو اپنی جماعت کے موقف اور عقائد کو پیش کرتے تھے اور ان کا دفاع کرتے تھے اور اپنے حریفوں کے الزامات اور حملوں کا جواب دیتے تھے، امویوں کے اپنے خطیب تھے جن میں زیاد بن ابیہ اور حجاج بن یوسف کے نام نمایاں ہیں، جب کہ شیعوں اور خوارج کے اپنے خطیب تھے جن میں سلیمان بن صرف، مختار الثقفی، نافع بن ازرق، واصل بن عطا، قطری بن الفجاءۃ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، عبداللہ بن زبیر خود ایک اچھے خطیب تھے، اس کے علاوہ سحبان وائل، احنف بن قیس اور حسن بصری جیسے خطیب بھی فن خطابت میں اپنا لوہا منوا چکے تھے۔غرض یہ کہ یہ دور فن خطابت کے ارتقاء کے لئے بہت ہی سازگار دور ثابت ہوا ہے لہٰذا اسے عربی خطابت کا سنہرا دور کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔

2.6 نمونے کے امتحانی سوالات

(۱) عصر اموی میں فن خطابت کے ارتقا کے اہم اسباب کیا تھے، ان پر مختصراً روشنی ڈالئے۔

(۲) عصری اموی میں سیاسی خطابت کی اہمیت اور ارتقاء پر ایک نوٹ لکھئے۔

(۳) درباری خطابت سے کیا مراد ہے؟ مثالوں سے واضح کیجئے۔

(۴) اموی دور میں واعظانہ خطابت اور اس کے ارتقاء کا جائزہ لیجئے۔

(۵) اموی دور کے ان اہم خطباء میں سے کسی دو کے اوپر ایک مختصر نوٹ لکھئے

(۱) حجاج بن یوسف (۲) زیاد بن ابیہ (۳) طارق بن زیاد (۴) حسن بصری

2.7 فرہنگ

المهامة والقفار	صحراوبیابان
غليل	پیاس
لم أحفل بالموت	میں نےموت کی پرواہ نہ کی
رزية	مصیبت
تحاشی یتحاشی	بچنا

2.8 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

۱۔ تاریخ الادب العربی،العصرالاسلامی — شوقی ضیف
۲۔ تاریخ الادب العربی — عمرفروخ
۳۔ ادب العرب — زبیداحمد
۴۔ الجامع فی تاریخ الادب العربی — حناالفاخوری
۵۔ تاریخ الادب العربی — احمدحسن الزیات
۶۔ تاریخ عربی ادب — ڈاکٹرعبدالحلیم ندوی

(https://archive.org/details/TareekhEArabiAdab/page/n3)